قرآنی علوم و معارف

ضرورتِ وحی

از افادات حضرت محقق اسلام علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ
شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

حضرت علامہ افغانی مدظلہ اسلامی علوم و فنون کے یکتا عالم اور نابغۂ روزگار محقق ہیں۔ قرآنی علوم و معارف میں انہیں خداداد بصیرت اور تبحر حاصل ہے۔ یہاں قرآنی علوم و معارف پر حضرت افغانی مدظلہ کے ان افادات کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جو انہوں نے جامعہ اسلامیہ بہاولپور کے درجۂ تخصص کے طلباء کو درس تفسیر کے دوران بیان فرمائے۔ ان افادات کو مولوی حافظ انوار الحق حقانی اور بعض دیگر مستعد شرکاء درس نے بلفظہٖ قلمبند کیا۔ گو اس میں علمی مصطلحات اور دقیق مضامین بھی ہیں مگر حق و نبوت کی جو نئی نئی تعبیریں اور اس کی اہمیت اور تشریعی حیثیت گھٹانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، انشاء اللہ حضرت افغانی کا یہ سلسلۂ افادات اہل علم و اہل بصیرت کے افادہ سے خالی نہ ہوگا وحی کے بعد صداقت و جامعیت قرآن پر ان کے ارشادات پیش کئے جائیں گے۔ (ادارہ)

تمہید سب سے پہلے ان چیزوں کا بیان ہوگا جو فہم قرآن کے لئے موقوف علیہ ہیں۔ انہیں مبادی کہتے ہیں۔ ان میں کچھ مبادی عقلیہ ہیں اور کچھ مبادی نقلیہ ہیں۔ مبادی اس لئے کہا کہ فہم قرآن کی ابتداء انہیں سے ہوتی ہے۔ مبادی عقلیہ میں اہم سوال اس وقت یہ ہے کہ دنیا کو قرآن کی ضرورت ہے یا نہیں؟ ہم اس بات کو عقلی دلائل سے پیش کرتے ہیں۔ پہلی دلیل کا نام دلیل منطقی ہے۔ اسی طرح پہ کہ ہم نے صغریٰ کبریٰ بنا کر اس سے نتیجہ نکالا۔ صغریٰ القرآن وحی الٰہی[1]۔ کبریٰ۔ کل وحی الٰہی ضروری للبشر[2]۔ اس سے نتیجہ نکالا کہ القرآن ضروری للبشر[3] (قرآن نوع بشری کیلئے ضروری ہے)

---

[1] یعنی قرآن اللہ کی وحی ہے۔ [2] اللہ کی ہر وحی انسان کیلئے ضروری ہے۔ [3] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۵

بلکہ انسان کو کھانے پینے یا دوسری تمام ضروریات سے زیادہ وحی الٰہی کی حاجت ہے۔ ہم نے صغریٰ کا نام صداقت قرآن رکھا ہے۔ اور کبریٰ کا نام ضرورت وحی رکھا۔ ترتیب بیان کے لحاظ سے ضرورت قرآن کا بیان پہلے ہوگا۔ اس کے بعد صداقت قرآن کا۔

وحی کے لغوی اور شرعی معنی

لغت میں وحی کے معنی ہیں الاعلام فی خفاء[1] - یعنی پوشیدہ طور پر کسی کو کوئی چیز بتانا۔ جس کا صرف مخاطب اور مخاطب کو پتہ ہو، تیسرے کو پتہ نہ ہو۔ علامہ ابن حجرؒ کی تشریح یہ ہے کہ کل ما دللت بہ من کلام او کتابۃ او رسالۃ او اشارۃ فھو وحی (فتح الباری)

اصطلاح شریعت میں وحی کے معنی یہ ہیں الاعلام بالشرع۔ لغوی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ جس چیز کو کسی بات کی تفہیم کریں وہ وحی ہے۔ خواہ وہ کسی انسان کی طرف ہو یا ملائکہ، جنات وحیوان کی طرف ہو جیسے واوحی ربک الی النحل۔ الآیہ۔

شرعی وحی انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ وحی کے تیسرے معنی ہیں۔ القاء الخیر فی قلب المؤمن الکامل فی خفاء[2]۔ یہ قسم اولیاء کے ساتھ خاص ہے۔ اس کو الہام کہتے ہیں۔ وحی کی جمع وحیٌ ہے۔ جیسے علیٌ کی جمع علیٌ۔ یہ رمیٌ یرمیٌ کی طرح ضرب کے وزن پر ہے۔ کبھی مصدر اسم مفعول کے معنی پر بھی آتا ہے یعنی وحیٌ بمعنی موحیٰ۔ نوع بشری کی اصلاح کے لئے وحی الٰہی اشد ضروری ہے اس کے دس دلائل ہیں۔

ضرورت وحی کے دس دلائل

۱۔ دلیل وجدانی

اس دلیل کا نام دلیل وجدانی ہے۔ جب انسان اپنے وجدان کی طرف غور کرے۔ تو معلوم ہوگا کہ اسے چار چیزوں کی ضرورت ہے۔ ۱۔ حاجت الی المأکول۔ ۲۔ حاجت الی المشروب۔

---

[1] یعنی ہر وہ چیز وحی ہے جس سے کسی چیز پر دلالت کی جائے۔ خواہ وہ کلام ہو یا خط ہو، پیغام ہو، یا اشارہ۔

[2] مومن کے دل میں پوشیدہ طور پر اللہ کی طرف سے کوئی خیر ڈالنا۔ (س م)

۳۔حاجت الی الملبوس ۔ ۴۔حاجت الی المسکن [1]

یہ چار حوائج تمام بالغ و نابالغ انسان کو لاحق ہیں۔ اور بلوغ کے بعد ایک اور بھی حاجت لاحق ہوتی ہے اور وہ ہے حاجت الی المخرج [2]۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ پانچوں حوائج جسم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور تمام فلاسفر اس بات پر متفق ہیں کہ انسان محض جسم کا نام نہیں۔ بلکہ انسان جسم، بدن اور روح سے مرکب ہے۔ اور روح بوجہ لطافت غیر محسوس اور غیر مبصر ہے۔ جمیع عقلاء کا بھی اس پر اجماع ہے کہ روح اشرف جزو ہے۔ اور یہ چیز اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ تمام اشیاء کو اس کا علم ہے۔ انسان تو کیا حیوان کو بھی اس کا علم ہے۔ بلکہ عناصر تک کو بھی یہ چیز معلوم ہے۔ اس طرح پر کہ اگر ایک آدمی سویا ہو تو کوئی چیز اسے ایذا نہیں دیتی۔ نہ جانور نہ کیڑے نہ کوڑے۔ مگر جب مر جاتا ہے۔ تو تمام حیوانات اور عناصر اس پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔ ہوا اس کو پھلانے لگتی ہے۔ اور مٹی کھانے لگ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کے گوشت پوست کو ختم اور ہڈیوں تک کو چورا کر دیتی ہے۔ گدھ، کوّے اور دوسرے سباع طیور اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اس کو نوچ ڈالتے ہیں۔ جب یہ واضح ہو گیا کہ انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ اور جسم کی کچھ حاجات ہیں تو ماننا پڑے گا کہ روح کی بھی کچھ حاجات ہیں ——

اطاعت و محبتِ الٰہی نوع انسانی کی فطرت ہے

غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا کہ روح انسانی میں محبتِ الٰہی کا میلان اور جذبہ موجود ہے۔ تمام نوع انسانی میں باوجود اختلاف رنگ و نسل اور باوجود اختلاف مذاہب یہ جذبہ موجود ہے۔ اور یکساں طور پہ موجود ہے۔ مسلمانوں کی مسجدیں، عیسائیوں کے گرجے۔ یہود کے مندر۔ آتش پرستوں کے معبد اسی جذبہ الٰہی کے اظہار کی واضح دلیل ہے۔ یعنی فطری وجدان کے تحت محبت اس میں موجود ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ——

اب غور کیا جائے کہ حاجاتِ اربعہ و خمسہ جسمانی کا انتظام قدرت کی طرف سے کیا ہوا ہے۔ کھانے کے لئے زمین کو کاشت کیلئے بنایا۔ اور پینے کیلئے دریاؤں، نہروں

---

[1] کھانے، پینے اور رہنے کی حاجت   [2] ازدواجی ضرورت۔

اور چشموں کا انتظام فرمایا۔ اس طرح زمین کو مسکن کے قابل بنایا۔ اور منکوحہ کا بھی انتظام قدرتی طور پر موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت فیاض ہے۔ کہ اس نے ہر حاجت کو پورا فرمایا اور ضرورت پورا ہونے کا سامان مہیا فرمایا۔ اب اگر اشرف الجزء یعنی روح کے جذبہ شریفہ کا انتظام نہ فرماتا تو یہ بخل ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کو محبت ہے۔ تو انسان محب ہوا اور اللہ جل شانہٗ محبوب ـــ

محبت کا تقاضا ہے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کرے، اس لئے کہ اطاعت، محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ جس طرح محبت فطری ہے، اس طرح اطاعت بھی فطری ہے۔ کیونکہ وہ نتیجہ ہے محبت کا۔ جب اللہ تعالیٰ فطرتاً محبوب ہے۔ تو لازماً مطاع بھی ہے۔ اطاعت دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک مرضیات پر چلنا، دوسرا نامرضیات سے بچنا۔ یعنی اوامر پر کاربند رہنا اور نواہی سے بچنا اور اطاعت جب ممکن ہے۔ کہ پہلے مرضیات اور نامرضیات کا علم ہو جب تک ان کا علم نہ ہو اطاعت نہیں ہو سکتی۔ کھچ کھچا کر بات یہاں آ پہنچی ہے کہ مرضیاتِ الٰہی اور نامرضیات کا علم ہو ـــ

مرضیات و نامرضیات کا علم کلام پر موقوف ہے

اب رہی یہ بات کہ علم کیسے حاصل ہو۔ تو ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں کہ اگر ہم کسی انسان کے مرضیات و نامرضیات معلوم کرنا چاہیں گے تو اس وقت بھی ضرورت ہوگی اس سے کلام کرنے کی جب تک وہ اپنی کلام سے نہ بتائے معلوم نہیں ہو سکتا۔ تو خدا کی مرضیات و نامرضیات کا علم کلام اللہ پر موقوف ہے۔ تو اس سے کلام اللہ کی ضرورت ثابت ہوگئی۔ کیوں کہ روح اشرف ہے۔ تو ضرورت بھی اس کی اشرف ہو گی۔ انسان کی انہیں ضروریات کو پورا کرنے کیلئے وحی الٰہی کی صورت میں قرآن مجید نازل ہوا جو آج بھی مکمل شکل میں موجود ہے۔ جس سے اس کے مرضیات و نامرضیات کا علم حاصل کر کے جذبۂ محبت کی تسکین کی جا سکتی ہے۔ سر ولیم میور "لائف آف محمدؐ" میں لکھتا ہے کہ جب سے انسانیت کی تاریخ چلی ہے۔ عبادت گاہ اور محبتِ الٰہی بھی اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ اس کا نام دلیل وجدانی ہے۔

۲ـــ دلیلِ قانونی

اس کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے۔ کہ انسانی حاجاتِ اربعہ یا خمسہ اولادِ آدمؑ میں

ہر فرد اور ہر قوم میں پائی جاتی ہیں۔ اور ان کو حاصل کرنے کی قوت بھی انسان میں رکھ دی ہے۔ جس کو قوت شہوانیہ اور قوت نزوعیہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ قوت جس کا اثر خواہش ہے جس سے چاہ پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انسان اپنی حاجات کی طلب میں چست ہے اس لئے ان کو ہر آدمی بغیر کسی کے کہے اور بلا واعظ کے وعظ کے طلب کرتا ہے۔ اب یہ مطلوبات جس طرح ایک قوم کے مطلوبات ہیں۔ اس طرح دوسری قوموں کے بھی ہیں۔ تو جب ہر شخص اور ہر قوم کے مطلوب ٹھہریں۔ تو ان کی طلب اور حصول کے وقت ممکن ہے کہ دوسرا شخص مزاحم ہو۔ اور اس کی خواہش اپنے لئے ہو کیونکہ اس کے بھی مطلوبات ہیں۔ تو اس طرح منازعت کا اندیشہ ہے کہ طلب کے وقت جھگڑا ہو۔ کیونکہ تمام مادی اشیاء اگر ایک کے پاس ہیں تو دوسرے کے پاس نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان میں قوت مدافعت رکھی جس کا نام قوت غضبیہ رکھا۔ اور اس قوت کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ایک شخص دوسرے کے حقوق تلف کرے اور اس کو اپنے مطلوبات کے استفادہ کا حق نہ ملے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ ظلم صریح ہوتا۔ اسلام صرف ان قویٰ کی اصلاح کرتا ہے۔ کہ یہ برمحل استعمال ہوں اور اس سے کسی دوسرے کی حق تلفی نہ ہو۔ اس کا حل جنگ میں نہیں بلکہ جنگ ہلاکت تباہی کا موجب ہے۔ مثلاً ۱۹۴۴ء کی جنگ میں چھ کروڑ انسان قیمہ ہو گئے۔

تحفظ حقوق کیلئے عادلانہ قانون کی ضرورت

اس حق تلفی سے بچانے کے لئے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جس سے حقوق کا تحفظ ہو۔ اس کا نام عدل ہے۔ عدل کیسے قائم ہو۔ اس کے لئے صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے قانون عادلانہ۔ قانون عادلانہ موجود ہو تو عدل موجود ہو گا۔ ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جہاں آبادی ہے۔ وہاں عدالتیں بھی موجود ہیں۔ جیسی بھی ہوں، صحیح ہوں یا غلط، بہرحال عدالتوں کا وجود ضروری ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ایسا قانون بنانا کس کا حق ہے۔ عالم کائنات میں انسان کا ہے یا خالق کائنات کا؟ دنیا میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ انسان کو حق ہے۔ اس رائے کے تحت مجالس قانون ساز۔ پارلیمنٹ۔ دستور ساز اسمبلیاں وجود میں آتی ہیں۔ مگر اسلام کی رائے یہ ہے۔ کہ یہ حق خالق انسان کا ہے ——— آیت قرآن ہے۔ ان الحکم الا للہ۔ (حکمرانی صرف اللہ کے لئے ہے)

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

قانونِ عادلانہ درحقیقت آبِ حیات ہے جس سے ارواح کو زندگی حاصل ہوتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

ولکم فی القصاص حیوۃ الآیہ

جیسے بارش سے زمین کی حیات ہے۔ پانی ہوا وغیرہ سے نباتات کی حیات ہے۔ اغذیہ سے حیوانات کی حیات ہے۔ ٹھیک اس طرح قانونِ عادلانہ سے ارواح کی حیات وابستہ ہے۔ اور قانون بنانا صرف اسی کا کام ہے جس کا علم لامحدود ہو۔ اور لامحدود علم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ کھیت یا زمین کی سیرابی کے لئے لاکھ شبنم جمع کرو کوئی فائدہ نہیں۔ بلکہ ایسا کرنیوالا بیوقوف ہوگا۔ اس کے لئے تو دریا اور نہریں چاہئیں۔ دستور ساز ادارے بھی ایسے ہیں جیسے شبنم کے قطرے جن سے سیرابی ناممکن ہے۔ کیونکہ ان سب کا علم بھی محدود اور عقل و فہم بھی محدود ہے۔

عادلانہ قانون بنانیوالے کی لازمی صفات

قلوب و ارواح کی سیرابی اور تشنگی بجھانے کے لئے قانونِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ اور وہ ہے اسلام و قرآن جو بارش کی طرح ہے جس سے انسان کے قلوب سیراب ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

ان مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل الغیث۔ میری اور ان چیزوں کی مثال جس کے ساتھ خدا نے مجھے بھیجا بارش کی مانند ہے۔

اس دور کے انسانی قوانین جہل ہیں۔ برنارڈ شاہ کا قول ہے۔ کہ یورپ نے صنعت میں جس قدر ترقی کی ہے، اخلاق میں اتنا ہی گرا ہے۔ ان مشکلات کا حل بجز قانونِ محمدیؐ کے کچھ نہیں۔ سپنسر کا قول تاریخ یورپ میں لکھا ہے "لعنت ہو ایسے قانون پر جس پر چل کر یورپ کے ۴۵ کروڑ انسانوں میں سے صرف ۵ کے متعلق بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ حلال کے ہیں"۔ بحث یہ ہے کہ قانونِ عادلانہ انسان بنائے یا خالقِ کائنات۔ یہ تو بدیہی امر ہے کہ قانونِ عادلانہ کی ضرورت ہے۔ تاکہ تحفظِ حقوق اور انسدادِ مظالم ہو۔ ہم بغیر کسی جانبداری

کے عقل کی روشنی میں عادلانہ فیصلہ کرتے ہیں۔ فیصلہ یہ ہے۔ کہ مقنن میں جن صفات کا ہونا ضروری ہے۔ وہ کس میں موجود ہیں۔ انسان میں یا خالقِ انسان میں۔ جن میں یہ صفات موجود ہوں وہ ہی مقنن ہے ——

وہ صفات یہ ہیں :——

پہلی صفت حکمتِ تامّہ مقنن کیلئے ضروری ہے کہ اس کی حکمت تامّہ ہو۔ نیز اس کا علم تام ہونا چاہئے۔ نقص علم نقص قانون کو مستلزم ہے۔ مقنن کا علم اگر ناقص ہوگا۔ تو یقیناً اس کا قانون بھی ناقص ہوگا۔ اور اگر قانون ناقص ہو تو نقصِ زندگی کو مستلزم ہوگا۔

دوسری صفت علمِ محیط دوسری صفت جو مقنن میں موجود ہو وہ علم محیط ہے۔ زندگی کے ادوار پر جتنا بھی مقنن کا علم محیط ہوگا، اس قدر قانون مکمل ہوگا۔ زندگی کے تین دور ہیں۔ پہلا دنیوی۔ دوسرا برزخی۔ تیسرا اخروی۔ دنیاوی حصہ بہت مختصر ہوتا ہے۔ اور دنیا کا تنگ ترین حلقہ حیات دنیویہ ہے۔ برزخ اس سے وسیع ہے۔ اور آخرت وسیع الکل ہے —— اب تقسیم زندگی اس طرح ہے ۱۔ حلقہ محدودہ صغریٰ۔ یہ دنیا ہے۔ ۲۔ حلقہ محدودہ کبریٰ۔ یہ برزخ ہے۔ ۳۔ حلقہ غیر محدودہ۔ یہ آخرت ہے —— نیز مقنن کے لئے لازم ہے۔ کہ اس میں احاطہ زمانی بھی ہو اور تینوں حلقاتِ حیات تک اس کے علم کی رسائی ہو اور اگر زندگی کا ایک حصہ معلوم ہو اور دوسرا معلوم نہ ہو تو وہ قانون ناقص ہوگا۔ اور اس سے حیاتِ انسانی میں نقص ہوگا۔ اور ان حلقوں میں جو تفاوت ہے۔ وہ واضح ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے کہ سندھ اور پنجاب کا کوئی آدمی جس کے سامنے صرف جون، جولائی کا مہینہ ہی ہو۔ اور اس کے سوا کوئی موسم اس کے علم میں نہ ہو تو اس کے نزدیک امور نافعہ اور مضرہ کی فہرست یہ ہوگی۔ مثلاً برف کا پانی پیئے گا، ململ کا لباس پہنے گا۔ ہوا کے لئے کھلے میدان میں سونا چاہئے نیز آگ کے قریب تک نہ جانا چاہئے، گرم کپڑے نہ استعمال کئے جائیں وغیرہ۔ اب اس موسم صیف کے بعد جب ایام شتاء آئیں تو فوراً ان امور نافعہ و مضرہ میں انقلاب آئے گا۔ اور علی القلب نافعات مضرات بن جائیں گے۔ دیکھئے انسانی زندگی کے اسقدر تھوڑے سے عرصہ میں اتنا انقلاب آتا ہے۔ اور جب اس دنیا میں نفع و ضرر کا توازن یکساں نہیں —— اور یہ واقعہ ہے۔ کہ

زندگی کے حصص ثلاثہ میں تو اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے۔ اگر علم محیط نہ ہو تو عجب نہیں کہ مجلس قانون ساز کسی ایسے قانون کی تدوین کرے جو دنیوی زندگی میں تو مفید ہو مگر عالم اخروی اور برزخی میں مفید نہ ہو بلکہ مضر ہو یا اس کے برعکس مثلاً فرض کر لیا جائے کہ اکل خنزیر و شرب خمر مفید ہے۔ مگر اس کی کیا گارنٹی ہے۔ کہ عالم برزخ میں بھی یہ مفید ہوگا۔ اس لئے علم قانون کے لئے علم محیط کا ہونا ضروری ہے۔ نیز علم بحیثیت مکان بھی محیط ہونا ضروری ہے۔ جیسے کوئٹہ اور مری کا موسم پنجاب اور سندھ کے موسم سے مختلف ہے تو یقینی بات ہے۔ کہ جو چیزیں سرد حصہ میں مفید ہوں گی وہ گرم حصہ میں مضر یا برعکس۔ اس لئے ڈاکٹروں نے یہ قاعدہ بنا دیا ہے۔ کہ گرم علاقوں میں سرد اشیاء استعمال کرنی چاہئیں۔ اور سرد حصوں میں گرم اشیاء۔ اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ علم بالامکنہ بھی قانون کے لئے لازمی ہے ——

تیسرا وصف رحمت تامہ

تیسرا وصف جو مقنن میں پایا جانا ضروری ہے۔ وہ رحمت تامہ ہے۔ یعنی جن کے لئے مقنن قانون بنا رہا ہے۔ ان پر مقنن کو رحمت تامہ و شفقت تامہ ہونی چاہیئے۔ اگر رحمت نہیں ہوگی تو قانون میں عدل و انصاف نہیں ہوگا۔ مثلاً انگریزوں نے یہاں کے لئے ایسے قانون بنائے جنہوں نے ہماری زندگی کو تباہ کر دیا۔ اس کی واضح دلیل دیوانی قوانین ہیں۔ جب لارڈ کلایو نے شاہ عالم ثانی سے بہار اور بنگال کے دیوانی مقدمات ٹھیکہ پر لئے اور یہ فیصلہ ہوا کہ ہر سال مقررہ رقم شاہ عالم کو دی جائے گی۔ تو انگریزوں نے دیوانی ضابطہ بنایا جو اب تک موجود ہے۔ اور اس ضابطہ میں تاجرانہ پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ تاکہ ٹھیکہ کی ادائیگی کے بعد بچت بھی ہو۔ اس لئے ایسے قوانین بنائے گئے جس سے فریقین کو لوٹنا مقصود تھا —— مقدمہ کو اتنا طول دیا جاتا کہ دادا کا دائر کردہ مقدمہ پوتوں تک چلتا رہتا۔ ایک واقعہ اس میں مشہور ہے۔ کہ یوپی کے گورنر کی ایک ہندوستانی سے دوستی تھی لیکن ہندوستانی کو کبھی اس سے واسطہ نہ پڑا کہ اسے کسی طرح کا فائدہ پہنچاتا۔ آخر جب پنشن پہ جانے لگا —— تو ہندوستانی کو کہنے لگا کہ میں تجھے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔ ہاں ایک نصیحت کرتا ہوں اس پہ عمل کرنا، اور وہ نصیحت یہ ہے کہ دیوانی مقدمہ نہ کرنا۔ اس بارے میں ضرب المثل مشہور ہے۔ "جو جیتا وہ ہارا اور جو ہارا وہ مرا" اس لئے رحمت تامہ کا ہونا لازمی ہے۔ آجکل

کے لیڈروں میں یہ اوصاف کہاں ہیں۔ لینن سے سوال کیا گیا۔ کہ لیڈر کسے کہتے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا۔ کہ جو عوام کے مقصد میں اپنا مقصد چھپانا جانتا ہو۔ اور اب لیڈر اُسے کہتے ہیں۔ جو عوام کو بیوقوف بنانا جانتا ہے۔

لیڈری را چار چیز آمد کمال   السباب والقتال والجدال
وصف چہارم از خدا باغی بودن   در فساد امت آں ساعی بودن

چوتھا وصف غیر جانبداری چوتھا وصف جو مقنن کے لئے ضروری ہے وہ غیر جانبداری ہے۔ یعنی مقنن غیر جانبدار ہو۔ اور کسی کی طرفداری نہ کرے بلکہ غیر جانبدارانہ طور پہ قانون بنائے۔

ان صفات کی رُو سے صرف خالق کائنات مقنن ہے۔ اب یہ مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔ کہ قانون بنائے کون۔ اور کس میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ ہم اپنی موہومانہ خشکی کی بناء پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے بلکہ عقل سلیم کی روشنی میں شواہد کے پیش نظر یہ کہتے ہیں۔ اور تنازع کو طے کرتے ہیں۔ کہ مقنن خدا ہونا چاہیے یا انسان اور قوانین حیات بنانا کس کو زیبا ہیں — اب ہم ان شرائط اربعہ کے معیار پہ جانچتے ہیں۔ اولین تین چیزیں یعنی حکمت تامہ۔ علم محیط۔ رحمت تامہ کس میں پائی جاتی ہیں — عالم وجود ایک محسوس دلیل ہے۔ اور یہ کہ یہ شرائط صرف خالق میں موجود ہیں نہ کہ مخلوق میں۔ اس کی حکمت کے برابر کسی کی حکمت نہیں اسی طرح علم کا حال ہے ایک متناہی و محدود کو غیر متناہی و غیر محدود سے کیا نسبت بلکہ حضرت آدم علی نبینا علیہ السلام سے لیکر صور اسرافیل تک جتنے علماء و حکماء فلاسفہ ہیں ان کی حکمت اور خدا کی حکمت میں وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ اور سات سمندر میں ہے۔ کیونکہ متناہی کو غیر متناہی سے کیا نسبت۔ انسان اپنے ماحول و گردا گرد کا حال تو جان سکتا ہے۔ اور وہ بھی غیر مکمل وہ ماضی اور مستقبل کا کیا علم رکھے گا۔ اسے تو بس حال کا علم ہوگا۔ وہ بھی ناقص ہوگا۔ محیط نہیں۔ لہٰذا یہ شرط بھی خدا میں موجود ہے۔ لیکن انسان میں غیر موجود۔ تیسرا وصف جو رحمت تامہ ہے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے۔ کہ دنیا کے ہر دور میں تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ احباء اللہ کی تعداد اس کے اعداء کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت ہی کم رہی ہے۔ لیکن اس کی رحمت میں کبھی کمی نہ آئی۔ اعداء کے لئے زندگی رزق وغیرہ میں اس کے ہاں کوئی تمیز نہیں۔ بلکہ جو احباء کے لئے ہے وہی اعداء کے لئے ہے۔

مگر انسان میں ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں۔ اس کی شفقت و رحمت کی بارش ہر ایک پر جاری ہے بلکہ اس کا تو کوئی حصر انسان نہیں کر سکتا۔ عرض یہ ہے کہ انسان جو کوئی قانون بنائے گا۔ بہر حال وہ انسان ہو کر ہی بنا سکے گا بات واضح ہے۔ کہ انسان کے لئے ایک وطن اور ایک قوم کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات بھی واضح اور یقینی ہے۔ کہ قانون میں اپنے ہم قوم و ہموطنوں کی ضرور رعایت کرے گا۔ انگریزوں نے اس ملک کے باشندوں کے ساتھ یہی سلوک کیا۔ یہاں کے باشندوں کے لئے الگ قانون اور اپنے لئے الگ قانون بنائے۔ اور ہماری بحث بھی ساری دنیا کے متعلق ہے ـــــ ضروری ہے۔ کہ قانون ساز ادارہ کسی قوم یا وطن کے باشندے ہوں گے۔ اور اپنوں سے رعایت کرنا دوسروں سے ظلم کرنا ہی ہے۔ یہ آج کل ہو رہا ہے، اس امریکہ میں بلکہ جہاں کہیں بھی یورپ کا اقتدار ہے اور وہاں کالوں اور گوروں کی تقسیم کی بناء پر قوانین بنائے گئے ہیں۔ اسی برّ اعظم میں بھی انگریز یہی کچھ کرتے رہے۔ یہاں کے دیسی باشندوں کے لئے سزا موت تھی۔ سرحد میں آزاد قبائل کے باشندے حبیب نور نے پشاور کے انگریز افسر پر گولی چلائی۔ انگریز نہ مرا۔ اس قبائلی کو ارادۂ قتل پر پھانسی کی سزا دی گئی۔ لہٰذا شرط چہارم کی بناء پر لازمی ہے۔ کہ مقنن کسی قوم و وطن سے منسوب نہ ہو۔ مصری، روسی، غزنی، چینی وغیرہ جیسے بھی قانون وضع کریں گے تو ضرور اپنوں سے رعایت برتا کریں گے۔ دوسروں کی حق تلفی کریں گے۔ اب خدا کی ذات ہی صرف رہ جاتی ہے۔ کہ جس کا تعلق تمام مخلوقات سے ہے۔ اور ایک جیسا ہے، وہ خالق باقی مخلوق۔ وہ معبود باقی تمام عبادت گزار، خداوند کریم کو اس لحاظ سے تمام اولاد آدم سے یکساں نسبت ہے۔ اور ہمیشہ غیر جانبدار رہے گا۔ اور تمام اس کی نظر میں برابر رہیں گے۔ لہٰذا وہ ہی قانون بنانے کا حقدار ہے۔ اور صرف اس کی ذات ہی مقنن ہو سکتی ہے۔ اس کا قانون عادلانہ وحی ہے۔ جو اس کا کلام ہے وہ اسی کلام کو وحی کے ذریعہ سے کسی خاص انسان پر نازل فرماتا ہے۔ تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے امن قائم کرے۔ لوگوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ آج کی دنیا میں جو بدامنی اور بدچلنی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے۔ کہ یہاں انسان پہ انسان کا قانون چل رہا ہے۔ اور جب تک یہ قانون رہے گا حالت یوں ہی رہے گی۔ جب اس قانون کو بدل کر خدا کا قانون چلایا جائے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر طرف امن و امان رہے گا ـــــ

(باقی آئندہ)